شفاء الملک حکیم حبیب الرحمٰن

(سنہ ۱۸۸۰ء — ۱۹۴۷ء)

محمد صغیر حسن معصومی

شفاء الملک آخونزادہ حکیم حبیب الرحمٰن کے والد ماجد مغربی افغانستان سے تلاش معاش میں ہندوستان کے پایہ تخت دھلی اور پھر دھلی سے مشرقی پاکستان کے صدر مقام ڈھاکہ عرف جہانگیر نگر آئے اور یہیں کے ہو رہے یہ حکیم حبیب الرحمٰن مرحوم سنہ ۱۸۸۰ء میں ڈھاکہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی کتابیں پڑھنے کے بعد اعلیٰ تعلیم کی غرض سے ایک عرصہ تک بہار شریف اور پھر یو پی کے شہروں آگرہ اور دہلی میں رہے۔ یو پی ہی میں منطق، فلسفہ اور کچھ درس نظامی کی کتابیں پڑھنے کے بعد علم طب کی تحصیل میں مشغول ہوئے۔ عربی اور فارسی میں مرحوم کو بڑی اچھی دستگاہ تھی۔ اساتذہ سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد بطور خود کتابوں کے مطالعہ میں ہمیشہ مشغول رہے۔ علوم معقول و منقول سے وابستگی کا یہ عالم تھا کہ علماء سے باتیں کرتے تو مسائل پر ناقدانہ رائے زنی بھی فرماتے جاتے تھے۔ مردم شناس ایسے تھے کہ دو چار جملوں میں مخاطب کے علمی مبلغ کا اندازہ لگا لیتے تھے اور ہر ایک سے اس کے علم و فہم کی مناسبت سے گفتگو فرماتے۔ مشرقی پاکستان میں ایسے ماہر علوم بہت کم نظر آتے ہیں۔ اردو زبان میں آپ ایک خاص طرز تحریر کے مالک تھے۔ اور ڈھاکہ میں اردو زبان کی خدمت، تا دم حیات کرتے رہے۔

۱۹۲۵ء کے اواخر میں جب کاتب سطور پہلی بار ڈھاکہ پہنچا تو جلد ہی والد مرحوم مولانا محمد امیر حسن بہاری صدر مدرس مدرسہ حمادیہ[۱] ڈھاکہ کے ہمراہ حکیم صاحب کی خدمت میں حاضر ہونے کا

۱۔ یہ مدرسہ اوائل بیسویں صدی میں مولانا کرامت علی جونپوری کے صاحبزادے مولانا حماد کے نام پر قائم کیا گیا۔ سنہ ۱۹۲۰ء سے سنہ ۱۹۴۰ء تک اس کی شہرت رہی۔ سنہ ۴۳ء۔۱۹۴۴ء میں سینئر مدرسہ دار العلوم کے ساتھ ضم کر دیا گیا اور اس کا الحاق مدرسہ عالیہ ڈھاکہ کے ساتھ قائم رہا۔ اس مدرسہ میں ڈھاکہ، میمن سنگھ، نواکھالی، باریسال، کمیلا، فرید پور، اور دیناج پور، چاٹگام وغیرہ کے طلبہ فیض اٹھاتے تھے۔

موقعہ ملا۔ ان کا مطب موجودہ حبیبیہ طبیہ کالج کے قریب حکیم حبیب الرحمٰن روڈ پہ ایک مکان کی دوسری منزل پر تھا۔ نیچے کا کمرہ دوا خانہ کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ مطب کے دونوں جانب مریضوں کے لئے چھوٹی کرسیاں رکھی رہتی تھیں۔ خود آرام کرسی پر بیٹھتے تھے۔ قریب ہی ایک چھوٹی میز تھی جس پر نسخہ لکھنے کا سامان موجود رہتا تھا۔ اور سامنے کی دیوار پہ دو پرانی تلواریں جن کے بیچ میں ایک ڈھال رکھی تھی آویزاں تھیں۔ چاروں کونوں میں چار الماریاں تھیں جن میں فارسی اور عربی کی کتابیں بند تھیں۔

حکیم صاحب مقامی سینئر مدرسہ حمادیہ کے منتظمین کی کمیٹی کے نہایت اہم ممبر تھے۔ اور والد مرحوم علمی دلچسپی کے علاوہ مدرسہ کے انتظامی امور کے سلسلے میں اکثر حکیم صاحب کی ملاقات کو تشریف لے جاتے تھے۔ چونکہ یہ عاجز ساتھ رہتا تھا اس لئے اکثر حاضری کا شرف حاصل ہوتا تھا۔ ایک بار جب حکیم صاحب علیل ہوئے تو والد مرحوم کے ساتھ عیادت کے لئے گھر پہ حاضر ہونے کا اتفاق ہُوا۔ ان کا مکان مطب کے قریب ہی ایک کوچے کی زینت تھا۔ ان کے خاص کمرے کی عجیب شان تھی۔ بستر کے اردگرد کتابوں کی الماریاں تھیں اور دیوار کے ساتھ بہت سے کتبے۔ پرانی تاریخی یادگاریں، پتھروں کے ٹکڑے جن پر کچھ نہ کچھ حروف کندہ تھے، کچھ سکے، مٹی اور کانسی کے ظروف قطار میں رکھے ہوئے تھے۔

والد مرحوم اور حکیم صاحب کی آپس کی باتیں زیادہ تر علمی مسائل پہ یا مدرسہ کے متعلق ہوتی تھیں جن سے اس وقت اس عاجز کو کوئی دلچسپی نہ ہوتی۔ کبھی کبھی پیار سے حکیم صاحب میری طرف بھی متوجہ ہوتے اور میری نوشت و خواند کے متعلق دریافت فرماتے۔ سنہ ۳۲ - ۱۹۳۳ء میں جب میں عالم کی جماعتوں سے گزر رہا تھا اور حروف میں کچھ پختگی آچکی تھی تو یہ معلوم ہُوا کہ حکیم صاحب کو کتابت سے بھی دلچسپی ہے۔ اکثر آپ کچھ نہ کچھ لکھنے کی فرمائش کرتے اور لوگوں سے کتابت کی تعریف فرماتے۔

اسی زمانے میں یہ دیکھ کر مجھے حیرت ہوتی تھی کہ ان کے مطب میں نواب فیملی کے افراد اور روسائے ڈھاکہ کے علاوہ یونیورسٹی کے پروفیسر حضرات بھی تشریف لایا کرتے تھے۔ ڈاکٹر محمود حسن پروفیسر انگریزی، عربی و فارسی کے پروفیسر فدا علی خان مرحوم، ڈاکٹر عندلیب شادانی، ڈاکٹر محمد حسین وغیرہ برابر آپ کے یہاں آمد و رفت رکھتے تھے۔ تاریخ کے صدر شعبہ ڈاکٹر کالیکا رنجن قانون گوئے بھی آپ سے تعلق رکھتے تھے۔ غرض علوم قدیمہ اور علوم جدیدہ کے اساتذہ، ساتھ ہی شہر کے روساء نہ صرف

علاج اور طبی مشورے کے لئے آپ سے ملنے آتے تھے بلکہ علمی، تاریخی اور ادبی مسائل میں بھی آپ سے مشورے کرتے تھے اور سیاسی امور میں بھی لوگ آپ سے استفادہ کرتے تھے۔

ڈھاکہ یونیورسٹی نے ہسٹری آف بنگال شائع کرنے کا ارادہ کیا تو ایڈیٹوریل بورڈ کے ایک ممبر آپ بھی منتخب ہوئے۔ ڈھاکہ میوزیم کی داغ بیل ڈالی گئی تو اس میں حکیم صاحب نے نمایاں حصہ لیا اور بہت سے پُرانے سکے اور تاریخی نوادرات آپ نے عطیہ میں دیئے۔ ان میں کچھ مخطوطات اور وصلیاں بھی تھیں۔

اردو زبان کی خدمت میں آپ ہمیشہ سرگرم رہے۔ سنہ ۱۹۰۶ء میں آپ نے سب سے پہلے ایک ہفتہ وار اخبار المشرق نکالنا شروع کیا۔ مگر طباعت کی دشواریوں کی وجہ سے جلد ہی بند کرنا پڑا۔ شہر ڈھاکہ کے مسلمانوں کی زبان برابر اُردو رہی اور نواب خاندان کے افراد کی بدولت اُردو ہمیشہ یہاں پھولتی پھلتی رہی۔ انیسویں صدی کے اواخر میں اُردو کے مشہور شاعر مولوی عبدالغفور خان نساخ کلکتوی جو ڈھاکہ میں ڈپٹی کلکٹر تھے، شمس العلماء عبید اللہ العبیدی سہروردی جن کا فارسی دیوان چھپ چکا ہے، سید محمود آزاد اور مولوی رحمان علی طیش وغیرہ کی بدولت یہاں اُردو کا طوطی بولتا تھا۔ شعر و سخن کے چرچے ہوتے رہتے تھے۔ خواجہ بیدار بخت بیدار، میرزا فقیر محمد مرزا، خواجہ اسمٰعیل ذبیح، سید شرف الدین وغیرہ بہت سے سخنور میدان شعر و شاعری میں طبیعت کی جولانی دکھانے لگے۔ بیدار اور شرف تو صاحبِ دیوان ہیں۔ اور دونوں استاد سخن سمجھے جاتے تھے جن کے گرد شاگردوں کا اچھا خاصا حلقہ رہتا تھا۔

ڈھاکہ میں انجمن ترقی اُردو کی بنیاد رکھنے والوں میں حکیم صاحب بھی تھے۔ بلکہ سنہ ۱۹۳۲ء کے بعد جب حکیم صاحب کی کوششوں سے حبیبیہ طبیہ کالج قائم ہُوا تو ماہ بماہ کالج کی عمارت میں اُردو مشاعرے ہونے لگے۔ ایک دو مشاعرے احسن منزل میں بھی ہوئے۔ انتظام حکیم صاحب ہی کی نگرانی میں ہوتا تھا۔ کبھی کبھی ان مشاعروں میں پڑھی ہوئی غزلوں اور نظموں کا گلدستہ بھی آپ کے اہتمام سے شائع ہوتا تھا۔ شعر و سخن کی یہ ہما ہمی پاکستان بننے تک قائم رہی۔ بلکہ مہاجرین کی آمد اور روزنامہ پاسبان اور پندرہ روزہ سرفراز کے سرپرستوں اور کارکنوں کے آنے کے بعد بہت سی دوسری مجلسیں اور انجمنیں مثلاً بزمِ احباب، دبستان فکر و نظر، بزمِ آصفی، بزمِ احبابِ نو اور بزمِ تمنا عمادی وغیرہ وجود میں آئیں۔

حکیم حبیب الرحمٰن مرحوم علاج و معالجہ کے ساتھ تاریخی مواد بھی فراہم کرتے رہے۔ شروع میں آپ نے حکیم سقراط کے حالاتِ زندگی پر ایک رسالہ لکھ کر شائع کیا۔ شمس العلماء ابو نصر وحید مرحوم نے جب مدرسوں اور اسکولوں کی تعلیم کو ہم آہنگ کرنے کی غرض سے نئے نصاب بنانے کے لئے علامہ شبلی اور دوسرے قدیم و جدید علوم کے ماہرین کو مدعو کیا اور ایک نیا نصاب نیو اسکیم کے نام سے ملک میں رائج کیا تو حکیم صاحب بھی ان کے ساتھ تھے اور ایک نجی ملاقات میں علامہ شبلی کے سامنے انھوں نے یہ خیال ظاہر کیا کہ حاجی خلیفہ کی کشف الظنون کے طرز پر ہندوستان کے علماء کی تصانیف کی فہرست (ببلیوگرافی) صوبہ وار تیار کی جائے۔ علامہ موصوف نے اس تجویز کو بیحد پسند کیا اور حکیم صاحب سے فرمایا کہ بنگال کا حصہ آپ کے ذمے رہا۔ اور جیسا کہ اپنی کتاب 'آسودگانِ ڈھاکہ' کے مقدمہ میں حکیم صاحب نے تحریر کیا ہے۔ چالیس سال کے طویل عرصے میں انھوں نے بنگال کے علماء کی تصانیف پر بہت سا مواد فراہم کیا۔ البتہ اس کو مرتب کرنے کا کام باقی تھا۔ افسوس کہ اس کی تکمیل سے پہلے ہی وہ رحلت فرما گئے۔ سخت افسوس اس بات کا ہے کہ آپ کے انتقال کے بعد حسبِ وصیت آپ کی لائبریری کا صرف ایک حصہ ڈھاکہ یونیورسٹی کو منتقل کیا گیا اور اس میں یہ مواد نہ مل سکا۔ اگر ان کے صاحبزادے حکیم ارتضاء الرحمٰن ان مسودات کو تلاش کر کے شائع کروا دیتے تو یہ ایک بڑا کام ہوتا۔ حکیم صاحب مرحوم و مغفور کی دیرینہ تمنا پوری ہوتی۔ نیز بنگال کی علمی اور ثقافتی تاریخ کا ایک معتدبہ حصہ دست برد زمانہ سے محفوظ ہو جاتا۔

اس شائستہ خانی شہر ڈھاکہ کی عظمت کے پیشِ نظر حکیم صاحب مرحوم کو رہ رہ کر یہ خیال ہوتا کہ یہاں سے کوئی اخبار یا رسالہ اُردو زبان میں اشاعت پذیر ہونا چاہیئے۔ چنانچہ یونیورسٹی کے اساتذہ پروفیسر فدا علی خان وغیرہ اور دوسرے حضرات، نیز مرحوم خواجہ محمد اعظم کے صاحبزادوں خواجہ محمد عادل اور خواجہ محمد اجمل کے ساتھ مل کر، سنہ ۱۹۲۳ء سے ماہوار جادو نکالنا شروع کیا۔ یہ رسالہ، جہاں تک حقیر کو یاد ہے، سنہ ۱۹۲۵ء تک جاری رہا۔ شروع میں یہ رسالہ لیتھو میں چھپتا رہا۔ پھر لیتھو کی طباعت مشکل ہو جانے پر رحمانیہ پریس ڈھاکہ سے ٹائپ میں چھپنے لگا۔ رسالے کے مضامین ادبی، علمی اور تاریخی ہُوا کرتے تھے، غزلیں اور نظمیں بھی شائع ہُوا کرتی تھیں اور اکثر و بیشتر لکھنے والے سرزمین بنگال سے تعلق رکھتے تھے۔ اخراجات کی زیادتی اور آمدنی کی کمی کی بنا پر اس کی اشاعت

پھر بند ہو گئی۔

سیاسی طور پر حکیم صاحب مسلم لیگ کے سرگرم رکن رہے اور تقسیم سے پیشتر خواجہ محمد عادل کو بھی آمادہ کیا کہ رسالہ جادو کو زندہ کیا جائے۔ چنانچہ یہ ماہوار رسالہ ایک بار پھر شروع ہو کر سنہ ۱۹۴۳ء سے سنہ ۱۹۴۶ء تک شائع ہوتا رہا۔ اسی زمانے میں ڈھاکہ ریڈیو اسٹیشن نے حکیم صاحب سے تقریروں کا ایک سلسلہ شروع کرایا جس کا عنوان تھا "ڈھاکہ اب سے پچاس برس پہلے"۔ ان تقریروں میں حکیم صاحب مرحوم و مغفور نے ڈھاکہ کی صنعتوں، ڈھاکہ کے لوگوں کے رسوم و عادات اور بعض ثقافتی پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔ یہ تقریریں کتابی شکل میں چھپ کر مقبول خاص و عام ہو چکی ہیں۔

حکیم صاحب مرجع خلائق تھے۔ ہر طبقے کے لوگ آپ کے پاس آتے اور بامراد و شاد کام واپس جاتے۔ امیروں اور رئیسوں کا علاج اگر توجہ اور تندھی سے کرتے تو غریبوں پر بھی کچھ کم نظرِ کرم نہیں رکھتے تھے۔ ناداروں اور مفلسوں کو مفت دوائیں دیتے تھے۔ طلبہ پر خاص شفقت فرماتے تھے۔ فنی مہارت کا یہ عالم تھا کہ قارورہ دیکھتے ہی مرض کی تشخیص کر لیتے۔ اور نبض پر ہاتھ رکھ کر مریض کی کیفیت ایک دو لفظوں میں بتا کر نسخہ لکھ دیتے تھے۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ مؤرخِ اسلام علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم کی تقریر ریڈیو پر سُنی تو علامہ مرحوم کو خط لکھ کر آگاہ کیا کہ آپ کی آواز سے مجھے خدشہ ہے کہ آپ کے سینے میں کچھ ضعف و نقص ہے، اگر بروقت علاج نہ کیا گیا تو خدانخواستہ کسی بڑے مرض کا خطرہ ہے، اس لئے کسی اچھے ڈاکٹر سے رجوع کیجئے۔ علامہ مرحوم نے ان کے لکھنے کے مطابق ایکسرے کروایا اور ان کے خدشہ کی تصدیق ڈاکٹر سے سن کر مرحوم کو شکریئے کا خط تحریر کیا۔

ہونہار طلبہ کی آپ ہمیشہ ہمت افزائی فرماتے تھے۔ ہمارے دوست ڈاکٹر محمد اسحاق اپنی کتاب "علم حدیث میں ہندوستان کی خدمات" میں، جس کا انگریزی عنوان ہے:۔

"INDIA'S CONTRIBUTION TO HADITH LITERATURE"

اور جس پر ڈھاکہ یونیورسٹی نے ان کو ڈاکٹریٹ کی ڈگری سے نوازا، حکیم صاحب کے مشوروں سے بیحد مستفید ہوئے۔ حکیم صاحب مرحوم نے اپنے مقالہ "بنگال میں علم حدیث" مطبوعہ معارف اعظم گڈھ کی تفصیلات سے ان کو نوازا، اور سولہویں صدی کے بنگال کے مشہور

بادشاہ حسین شاہ کے معاصر محدث خواجگی شروانی کا ذکر کیا، جنھوں نے صحیح بخاری کا ایک نسخہ اپنے ہاتھ سے لکھ کر اکدالہ کے قلعہ میں تیار کیا تھا اور یہ بتایا کہ یہ نسخہ خدابخش لائبریری پٹنہ کے اورینٹل سیکشن میں موجود ہے۔ اس ہیچمداں کو سنہ ۱۹۶۲ء میں پٹنہ میں اس نسخے کو دیکھنے کا اتفاق ہُوا۔ اس نسخے کی قیمت اس کے حاشیے کی وجہ سے بہت زیادہ ہے۔ کتابت کا نہایت عمدہ نمونہ ہونے کے علاوہ، اس کا خاتمہ، جو خود محدث خواجگی کی انشاء ہے، بنگال میں زبان عربی کے چرچے کا شاہد عادل ہے۔ حواشی کسی نامعلوم شارح عثمانی کے ہیں جو بیحد نادر ہیں۔

اس عاجز کا اوّلین اُردو مضمون "معانی القرآن للفراء" جب رسالہ معارف اعظم گڑھ میں سنہ ۱۹۴۶ء میں شائع ہُوا تو ہمت افزائی کے لئے حکیم صاحب نے فرمایا "میں نے تمہارا مضمون دو بار پڑھا اور میں کبھی کسی مضمون کو دوبارہ نہیں پڑھتا ہوں"۔ اسی مجلس میں آپ نے مجھے اپنی کتاب "مساجد ڈھاکہ" کی پروف کاپی دکھاتے ہوئے فرمایا تھا کہ اس کے پروف کی تصحیح تم کرو۔ مگر افسوس کہ یہ کتاب شائع نہ ہوئی۔ اس سے پہلے "آسودگانِ ڈھاکہ" شائع ہو چکی تھی، جس میں طباعت کی غلطی بیحد تھی، کیونکہ پروف کی تصحیح پوری طرح نہیں کی جا سکی تھی اور اسی وجہ سے مولوی عبدالرزاق مرحوم ایڈیٹر "ہند" کلکتہ نے اس کتاب پر سخت تبصرہ کیا تھا۔ البتہ اس کی تاریخی حیثیت سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ درحقیقت اس کتاب کی اشاعت نے ڈھاکہ یونیورسٹی کے شعبہ تاریخ کے اساتذہ کو نئے مواد سے روشناس کیا اور ڈھاکہ کی تاریخ پر بعد میں دو کتابیں انگریزی زبان میں اشاعت پذیر ہوئیں۔

حکیم صاحب مرحوم کی فنی تصنیف جس کا ذکر فن کی ناقدری کی وجہ سے نہیں کیا جاتا الفارق ہے۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے اس کتاب میں ایسے طبّی الفاظ و اصطلاحات کی تشریح کی گئی ہے جو مترادف ہم شکل و ہم معنی ہیں، اور ان کے فرق کو واضح طور پر بیان کیا گیا ہے مثلاً "دوران" اور "دوار" کہ دونوں کے معنی چکر، گھومنا ہے۔ مگر دوران خون کے جاری ہونے کو کہتے ہیں اور 'دوار' سر کے چکر اور دوران خون کو۔ افسوس کہ یہ کتاب آج کل ناپید ہے۔ البتہ ڈھاکہ کی لائبریری میں موجود ہے۔ تقسیم ملک کے بعد جب کہ حکیم صاحب مرحوم کو بڑی

امید تھی کہ ان کے کالج کو فروغ حاصل ہوگا اور ان کی انجمن ترقیِ اُردو کو بھی چار چاند لگ جائیں گے۔ حکیم صاحب مرحوم خود مرض الموت کے آگے بے دست و پا ہو گئے اور سنہ ۱۹۴۷ء میں ایک صبح کو یہ خبر آگ کی طرح پھیل گئی کہ حکیم حبیب الرحمٰن کا انتقال ہو گیا اور انھوں نے اپنی جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔

انا للّٰہ و انا الیہ راجعون

حکیم صاحب گندمی رنگ اور درمیانہ قد کے وجیہہ انسان تھے۔ ان کی زندگی نہایت سادہ تھی۔ مگر سادگی کے ساتھ ان میں وقار تھا۔ اپنی وضع کے آخر دم تک پابند رہے۔ شیروانی اور چوڑی دار پاجامہ پہن کر لوگوں سے ملنے باہر تشریف لے جاتے۔ رام پوری ٹوپی آپ ہمیشہ ترچھی پہنتے تھے۔ جاڑے کے موسم میں احباب کی تواضع پائے کے شوربے اور باقرخانی روٹی سے ایک بار ضرور کرتے۔ شوقین حضرات کو ان کے شوربے کا انتظار رہتا تھا جو اپنی خصوصیت کے لئے مشہور تھا۔

ان کی اولاد میں کئی لڑکے اور لڑکیاں یادگار ہیں۔ سب سے بڑے حکیم ارتضاءُ الرحمٰن ان کے جانشین اور طبیہ کالج کے سرپرست ہیں۔

ان کی طبی خدمات کے اعتراف کے طور پر عالمی جنگ ثانی چھڑنے سے پہلے حکومت برطانیہ نے حکیم صاحب کو "شفاء الملک" کے خطاب سے نوازا۔ اور سارے اہلِ ڈھاکہ کو مسرور و مشکور کیا۔

آج عمومی طور پر مشرقی پاکستان کی اور خصوصی طور پر ڈھاکہ کے تعلیمی اور ثقافتی کارناموں کی تاریخ لکھتے وقت شفاء الملک حکیم حبیب الرحمٰن کی علمی جد و جہد اور طبی خدمات کو کسی طرح فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ مرحوم نے ڈھاکہ مسلم لیگ کی آبیاری میں جو کوششیں کیں ان کے لحاظ سے ہم بجا طور پر ان کو پاکستان کے معماروں میں ایک سرگرم معمار کی حیثیت سے یاد کرتے ہیں۔